اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

اے اللہ ہمیں حق حق کی صورت میں دکھا اور اتباع کی توفیق دے اور باطل باطل کی شکل میں دکھا اور بچنے کی توفیق دے

کے بارے میں

شرعی فتویٰ

از: حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب رومی مفتی اعظم آگرہ

ناشر

مکتبہ حقّانیہ الٰہ آباد (یوپی)

باسمہٖ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

محترم حضرات علماء دین و مفتیانِ شرع متین! اپنے منصب اور نائب انبیاء ہونے کی لاج رکھتے ہوئے اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین مستحضر کرتے ہوئے بلا خوف لومۃ لائم اور بغیر لیت و لعل مندرجہ ذیل سوالات کے ہر جزو کا جواب واضح اور صاف بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اور اگر ممکن ہو کہ ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں مدلل طور پر عنایت فرمائیں نفس سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ فقط محمد ابوالحسن بن عبد العزیز القاسمی

سوال ۱: کیا اسلام میں دعوت و تبلیغ کا کوئی خاص طریقہ متعین ہے کہ اس خاص طریقہ سے دعوت و تبلیغ کرے تب ہی وہ دین کا داعی اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا ہے؟ مثلاً کوئی فرد یا جماعت دعوت و تبلیغ کے بارے میں مندرجہ ذیل اعتقادات رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔

(الف) جاہل پوری عمر میں تین چلے اور عالم پوری عمر میں تین سال اور ہر سال میں ایک چلہ اور ہر مہینے میں تین دن اور ہر ہفتہ میں دو گشت کی ترتیب سے دعوت و تبلیغ کے کام میں نکلتے ہیں وہ دین کا داعی اور مبلغ ہے، ہاں اگر مرکز نظام الدین دہلی اس ترتیب میں کوئی رد و بدل کرے تو پھر اسی کے مطابق دعوت و تبلیغ کرنا ضروری ہے اس ترتیب کے بغیر کوئی دین کا داعی نہیں۔

(ب) مرکز نظام الدین دہلی کی مذکورہ ترتیب پر کوئی دعوت و تبلیغ کے کام میں نکلے تب ہی وہ اللہ کے راستے میں ہے، اس طریقہ سے الگ کسی اور طرح سے دعوت و تبلیغ کے لئے نکلے تو وہ اللہ کے راستے میں نہیں ہے۔

(ج) اگر کسی نے علم دین حاصل کرنے کے لئے دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم

سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ یا کسی بھی دینی مدرسہ میں دس بیس سال بھی لگا دیئے تو اس کا وقت اللہ کے راستے میں نہیں لگا، اور وہ اللہ کے راستے میں وقت لگانے والا نہیں ہوا اور دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے کے لئے گھر بار چھوڑنا یہ ہجرت نہیں اور اللہ کے راستے میں گھر بار نہیں چھوٹا، مرکز دہلی کی ترتیب پر گھر بار چھوڑنا ہجرت ہے اور یہی اللہ کا راستہ ہے۔

(د) کوئی بھی عالم جب تک مرکز نظام الدین دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کے لئے نکل کر وقت نہ لگائے اس کا ایمان نہیں بن سکتا چاہے کتنا بھی قرآن و حدیث پڑھ پڑھالے۔

(ہ) ہر کس و ناکس کا ایمان مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ میں نکل کر وقت لگانے سے ہی بن سکتا ہے اس کے بغیر ایمان بگڑا ہوا ہے اور اس کے بغیر ایمان نہیں بن سکتا۔

(و) دینی مدرسوں میں دس بیس سال لگانا بھی مجاہدہ نہیں ہے اور بغیر مجاہدہ کے ایمان نہیں بن سکتا لہذا مدرسوں میں وقت لگانے سے ایمان نہیں بنتا البتہ مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کی محنت میں نکلنے سے مجاہدہ ہوتا ہے اور ایمان بن جاتا ہے

(ز) مرکز نظام الدین دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کا کام کشتیٔ نوح کی طرح ہے کہ جو اس کشتی میں سوار ہوگیا نجات پاگیا اور جو سوار نہ ہوا وہ غرق ہوگیا اسی طرح جو اس ترتیب پر دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گیا وہ نجات پاگیا اور جو نہ لگا وہ ہلاک ہوگیا۔

(ک) مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کے لئے گھر بار چھوڑے بغیر وعظ و تقریر بے فائدہ ہے صرف تقریروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

(ل) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن

سیکھا لہذا پہلے ایمان سیکھنا ہے اور ایمان اللہ کے راستے میں نکلے بغیر سیکھ نہیں سکتے اور اللہ کا راستہ دعوت و تبلیغ میں مرکز دہلی کی ترتیب پر نکلنا ہے اس لئے پہلے اسی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کی محنت میں نکلنا ضروری ہے اور قرآن عزیز کا سیکھنا اس کے بعد ہونا چاہیئے۔

سوال ۲۷ ۔ ایک شخص مثلاً زید مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کے لئے نکلے اور گھر بار چھوڑ کر ایک عرصہ تک دعوت و تبلیغ کرتا رہے اور ایک شخص مثلاً عمر کسی دینی مدرسہ میں دس پندرہ سال لگا کر علم دین حاصل کرے اور اس دینی مدرسہ سے عالم و فاضل مفتی اور قاضی کی سندِ اجازت حاصل کر کے کتب دینیہ کے درس و تدریس میں لگ جائے یا قوم مسلم کی امامت یا مسندِ افتار اور قضا پر فائز ہو جائے۔

پھر کوئی فرد یا جماعت زید کو یا زید خود اپنے آپ کو دین کا داعی اور مبلغ تصور کرے مگر عمر کو دین کا داعی اور مبلغ نہ مانے۔ اگر کسی درجہ میں عمر کی مندرجہ بالا خدمات کو دینی خدمت تصور بھی کرے تو پھر بھی مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کرنے کے مقابلہ کمتر جانے اور اس نظریہ کا اظہار بھی لوگوں میں کرے۔

سوال ۲۸ ۔ اگر کوئی فرد یا جماعت یہ عقیدہ رکھے کہ نماز سے اللہ کی مدد یں نہیں آسکتیں، روزے سے اللہ کی مدد یں نہیں آسکتیں دعوت و تبلیغ کی محنت میں لگ جاؤ اور وہ بھی مرکز دہلی کی ترتیب پر تو اللہ کی مدد یں آنے لگیں گی اور دلیل میں یہ پیش کرے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے دشمن نے اونٹ کی اوجھڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر ڈال دی تو فرشتے مدد کے لئے نہیں آئے اور اوجھڑی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہٹائی مگر جب دعوت و تبلیغ کی محنت کیلئے طائف گئے اور دشمنوں نے پتھر برسائے تو فرشتے مدد کے لئے آ گئے۔

سوال ۱۴۔ کسی مسجد میں عامۃ المسلمین کے افادہ کے لئے قرآنِ عزیز کی تفسیر ہو رہی ہو پھر کوئی فرد یا جماعت صرف اس لئے کہ مرکزِ تبلیغ نظام الدین دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ میں نکلنے کے بارے میں دورانِ تفسیر کچھ نہیں کہا جاتا، قرآنِ عزیز کی تفسیر کو بے فائدہ بتائے یا اس کے بالمقابل فضائلِ اعمال مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کو اہم بتائے اور سلسلۂ تفسیر قرآنِ عزیز پر فضائلِ اعمال کی تعلیم کو ترجیح دے اور فضائلِ اعمال کی تعلیم میں شرکت کے لئے لوگوں میں ترغیب پیدا کرے اور شرکت پر آمادہ کرنے پر سلسلۂ تفسیر کو اپنے قول و فعل سے نظر انداز کرے بلکہ تفسیر قرآنِ عزیز کی طرف اگر عوام زیادہ رجوع کر رہے ہوں تو سلسلۂ تفسیر کو بند کر دینے کی کوشش کرے کہ اس طرح فضائلِ اعمال کی تعلیم پر اثر پڑے گا۔

یا کسی مسجد میں صرف اس لئے قرآنِ عزیز کی تفسیر کا آغاز ہی نہ ہونے دے کہ فضائلِ اعمال کی تعلیم پر اثر پڑے گا یا اس لئے آغاز نہ ہونے دے کہ لوگ یہ سوچ کر کہ ہمیں سب کچھ اپنے مقام پر ہی مل جاتا ہے پھر مرکز دہلی کی ترتیب پر دعوت و تبلیغ کے لئے نہیں نکلیں گے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورۂ بالا سوالات میں مندرجہ اعتقادات و نظریات حق ہیں یا باطل، یا ان میں بعض حق ہیں بعض باطل اور ایسے اعتقادات و نظریات رکھنے والا فرد یا جماعت حق پر ہے یا غلطی پر۔؟ بَيِّنُوا وَتُوجَرُوا

محمد ابوالحسن بن عبد العزیز قاسمی۔ صدر مجلس۔ (مولانا) ابوالقاسم قاسمی
ناظم مجلس العلماء محلہ کرما، پوسٹ کرماؤ ایا جھمری تلیا ضلع کوڈرما بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب

(نوٹ) احقر راقم الحروف کی بہت بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ بڑی حد تک بغیر لاگ لپیٹ اور بے خوف لومۃ لائم بلا رو رعایت بات کہہ دینے میں ادنیٰ تامل بھی نہیں کرتا ہے اور اپنی اسی کمزوری کے تحت آنجناب مستفتی محترم کی خدمت میں سب سے پہلے تو بالکل صاف اور واضح بلکہ دوٹوک الفاظ میں یہ عرض کر دینا ضروری اور اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے کہ آپ کا یہ استفتار قطعاً غیر سنجیدہ، غیر عالمانہ ہونے کے علاوہ آدابِ استفتار کے خلاف ہے۔

آپ نے جن امور سے متعلق جن الفاظ میں اپنے سوالات سپردِ قلم فرمائے ہیں اور اپنے آپ کو مجلس العلمار کا ناظم بھی ظاہر کیا ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ آپ کے مستفسرہ امور آپ کے علم و تحقیق سے باہر نہ ہونگے اور آپ خود بھی دوسروں کو ان امور کی بابت تشفی بخش جوابات دے سکتے ہوں گے بلکہ عجب نہیں کہ آپ نے دوسروں کو کچھ جوابات دیئے بھی ہوں اور اب آپ نے یہ ضرورت محسوس کی ہو کہ ان امور سے متعلق دوسرے اہلِ افتار کی رائے عامہ بھی دریافت کر کے دوسروں کو مجوج و مغلوب کریں۔ اگر واقعتاً صورت یہی ہے تو یہ صورت حقیقی استفتار کی نہیں ہے، احقر کو "مقابلۂ افتار" میں شرکت کی عادت نہیں ہے لیکن آپ کے سوالات بہرحال اہم اور اہلِ علم اور اہلِ افتار کے لئے قابلِ توجہ بھی ہیں اس لئے استفتار میں پائی جانے والی بے اصولی کو نظر انداز کرتے ہوئے نمبروار جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) دینِ اسلام کی بنیادی قانونی کتاب قرآن مجید ہے جس کی عملی تفسیر و تشریح

ہمیں حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیبہ میں ملتی ہے، دعوتِ اسلام اور دعوتِ توحید و ایمان کی تبلیغ کے اصل مخاطب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور آپ ہی کے واسطے سے جملہ اہلِ ایمان مخاطب ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ ہی کو خطاب فرماکر تبلیغ کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا یٰاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اے ہمارے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو جو احکام آئے ہیں آپ انہیں دوسروں تک پہونچایئے) اور ارشاد ہوا وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے خاندان و قبیلہ کے قریبی لوگوں کو ڈرایئے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس حکمِ تبلیغ پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہے۔ آپ نے کوہِ صفا پر جاکر لوگوں کو آواز دے کر ایک جگہ اکٹھا کیا ہے اور ایک تقریر فرمائی ہے، یہ جلسۂ تبلیغ تھا، آپ نے دوسروں کے مجمع میں جاکر اپنی دعوت پیش کی ہے آپ نے سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت کو تبلیغ فرمائی ہے، اپنے اہلِ وطن مکہ والوں کو تبلیغ فرمائی ہے وطن میں پورا تعاون نہ ملنے پر وطن سے باہر سفر بھی فرمایا ہے۔ آپ نے متعدد سلاطین اور سرداروں کو دعوتی گرامی نامے بھی بھیجے ہیں، یہ قلمی اور تحریری تبلیغ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے دولت کدہ پر مجلس بھی فرماتے تھے، یہ بھی اس وقت دعوت و تبلیغ کی ایک شکل تھی، ہر دور کے مشائخ وقت کی مجالس اسی طریقۂ تبلیغ کی پیروی ہیں۔

ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں "اصحابِ صفہ" کے لئے "صفہ مسجد" مدرسہ نبویہ" کے طالبانِ علم کی اقامت گاہ اور دار الاقامہ تھا، اس سے مدارسِ دینیہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اکابرِ دین "صفہ مسجد" ہی کو اپنے مدرسوں کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ مجالسِ مشائخ حقہ اور مدارسِ دینیہ کو منافی و مغائرِ تبلیغ سمجھنا حد درجہ کی بے خبری ہے، ایسے بے خبر دوسروں کو کیا تبلیغ کریں گے! یہی بے خبری دوسروں تک پہونچائیں گے۔ جیسا کہ

مشاہدہ ہے۔

(الف) مرکز نظام الدین کے تعلق سے آپ نے متعدد سوالات کئے ہیں، مختصر وجامع طور پر یہ لکھنا کافی ہوگا کہ یہ نظامِ تبلیغ (جو آپ نے شق الف وبا میں ذکر کیا ہے) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ خاص اور ان کے الہامات پر مبنی ہے اس کو معمول بہ بنانے کے لئے کسی دوسرے کو مکلّف دیا بند کرنا نہ تو خود حضرت مولانا کے لئے درست تھا نہ کسی اور کو اس کا حق ہے۔ وہ دوسروں کو اس خاص نظام کے قبول پر مجبور کرے، الہامات کا شرعی حکم یہ ہے کہ الہام اگر حدودِ شریعت میں ہو تو خود صاحبِ الہام اس پر عمل کر سکتا ہے اور اگر خلافِ شریعت ہو تو اس کے لئے بھی عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے مرکز کی طرف سے مقررہ نظام ہر مکلف کے لئے واجب الاتباع اور واجب العمل نہیں ہے، بالخصوص ایسے حضرات کے لئے جو کسی دوسرے طریقہ پر خدمتِ دین میں مصروف ہوں (مثلاً اہلِ درس جو مدرسہ میں خدمتِ دین کر رہے ہوں، یا اہلِ طریق جو خانقاہ میں بیٹھ کر فرض تزکیہ انجام دے رہے ہوں یا اہلِ تحریر جو تحریر کے ذریعہ دین کی باتیں لوگوں تک پہونچا رہے ہوں۔

حضراتِ صحابۂ کرام کے حالات کو بغور پڑھا جائے اور ان کے جملہ مشاغل پر نظر کی جائے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے صرف حکایات اور قصص وروایات میں ان کی زندگی کی پوری تصویر سامنے نہیں آسکتی۔

(با تا کاف) یہ ساری باتیں تبلیغ سے وابستہ لوگوں کی "غلو پسندی" پر مبنی ہیں، احقر نے طالب علمی کے دور میں مظاہر علوم میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمہ کی متعدد تقریریں سنی ہیں، ان کی تقریروں میں بھی ان کے مغلوب الحال ہونے کے باوجود ایسے لغو غلو کا نام ونشان بھی نہ ہوتا تھا، وہ انتہائی حال مغلوبیت میں

تقریر فرماتے تھے اور دل سے وہ یہی چاہتے بھی تھے کہ جو حال ان کا ہے یہی حال سب کا ہو جائے، مگر اس کے باوجود انہوں نے ایسے فتوے صادر نہیں فرمائے جیسے فتوے آپ نے موجودہ دور کے مبلغین سے نقل کئے ہیں، ان غلوکاروں کی اس روش سے احقر کو بہت دنوں سے یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب تبلیغی جماعت، جماعت کی پٹری چھوڑ کر "نئے فرقہ" کی پٹری پر چل پڑی ہے، جماعت کا مسجدوں سے تعلق لازم و ملزوم کا تعلق ہے، ہر شہر میں ایک مسجد "مرکز تبلیغ" کے طور پر علیحدہ کی جا چکی ہے۔ وہاں درس قرآن، درس تفسیر ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، فقہی مسائل کی کتابیں ممنوع ہو جاتی ہیں۔ مرکز میں طے شدہ نظام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص خواہ وہ کیسا ہی عالم و شیخ ہو وعظ نہیں کہہ سکتا، احقر نے بعض ایسے واقعات کا ذاتی طور پر مشاہدہ بھی کیا ہے اور برادرم مولانا محمد عبید اللہ صاحب علیہ الرحمہ کو اس سے متعلق شکایتی خط بھی بھیجا مگر وہاں سے اطمینان بخش جواب اس وقت بھی نہ مل سکا تھا اور اب تو مرکز کی امارت شخصی نہ رہ کر جماعتی اور شورائی ہو گئی ہے، پتہ نہیں اونٹ کی نکیل کس کے ہاتھ میں ہے۔

(لام) اس شق میں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد عَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ ثُمَّ عَلَّمْنَا الْقُرْاٰن (ہم نے پہلے ایمان کا علم حاصل کیا، پھر ہم نے قرآن کی تعلیم حاصل کی) کو اپنی دلیل میں پیش کر کے اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "ایمان اللہ کے راستے میں نکلے بغیر نہیں سیکھ سکتے"۔ یہ نتیجہ بھی ان غلوکار مبلغین کی بے خبری کا پتہ دیتا ہے جن کا مبلغ علم صرف "تبلیغی نصاب" ہے۔ انھیں عربی زبان اور عربیت کی لطافت کا پتہ ہی نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ایمان" کے ساتھ "علّمنا" کا فقرہ بطور صنعتِ مشاکلہ استعمال فرمایا ہے کیونکہ اگلے فقرہ میں بھی قرآن کے ساتھ "علّمنا" کا فقرہ آیا ہے۔ قرآن کے ساتھ تو علّمنا کہنا ہی تھا، پہلے فقرہ کی بات وہ

یوں بھی کہہ سکتے آمنّا اوّلاً (ہم پہلے ایمان لائے) ثمّ علّمنا القرآن (پھر ہم نے قرآن سیکھا) لیکن انہوں نے بطورِ مشاکلت دونوں فقروں میں "علّمنا" کی تعبیر اختیار کی ــ اور اگر وہی بات کہی جائے تو ان مبلغین کو تاریخی طور پر یہ ثبوت بھی پیش کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان سیکھنے کے لئے کتنے چلے دیئے تھے۔ ؟

(سوال نمبر ۲ کا جواب) اوپر نمبر ایک میں لکھا جا چکا ہے کہ تبلیغ دین کا کوئی خاص طریقہ خدا اور رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے مقرر نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک میں تبلیغ کی متعدد صورتیں ملتی ہیں لہذا کسی خاص طریقۂ تبلیغ میں تبلیغِ دین کو محصور و محدود کرنا حدودِ شرعیہ سے تجاوز ہے جسے آج کل کی زبان میں کہتے ہیں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینا، یہ صورت ایک طرح کی بغاوت ہے اور بغاوت ہر حکومت واقتدار کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم ہے، غور کیا جائے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ بدعات ومحدثات میں بھی یہی بغاوت کارفرما ہے کہ بدعتی قانون اجر وثواب کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

(سوال نمبر ۳ کا جواب) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم سے متعلق خانہ کعبہ میں ادائیگی نماز کے وقت کفار کا اوجھڑی ڈالنا اور اس وقت فرشتوں کا نہ آنا اور طائف میں کفار کی ایذا رسانی پر فرشتوں کا آجانا ذکر کرکے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو مختلف حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت میں شریک عصری علوم کے سند یافتہ لوگ بھی مودودی صاحب کے اثرات جماعت تبلیغ تک پہونچانا چاہتے ہیں۔ مودودی صاحب نے بھی بے جھجک حضراتِ انبیاء کو اپنی تنقید کے لئے تختۂ مشق بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اِن دو حالات کی تصویر کشی بھی شائبۂ تنقیص وتنقید سے خالی نہیں ہے۔

(جواب سوال نمبر ۴) اس سوال میں آپ نے تفسیری درس اور "تبلیغی نصاب" کی اس چپقلش کا ذکر کیا ہے' یہ چپقلش اس وقت بہت عام اور بہت اہم ہو چکی ہے' ہر جگہ لوگوں کو اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ "تبلیغی نصاب" پڑھنے پر اصرار کی موجودہ صورت یقینی طور پر حدودِ شریعت سے آگے بڑھ گئی ہے اور اب اسے عمل بالشریعہ کے بجائے شریعت کی خلاف ورزی کہنا ضروری ہو گیا ہے' حضراتِ فقہائے کرام نے ایک اصول وقاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ جب کسی امر مندوب و مستحسن کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو اس مندوب کا ترک واجب ہے اور واجب کا حکم سب کو معلوم ہے کہ ترک واجب معصیت وگناہ ہے اور معصیت کا مرتکب فاسق ہے لہذا اہلِ علم' اور اہلِ افتاء کو اس صورتِ حال کی فکر ہونی چاہیئے اور اگر یہ امر منکر ان کے علم اور مشاہدہ میں بھی آرہا ہے تو ان پر اس کی نکیر ضروری ہے۔

آپ نے آخر میں شاید اپنے قیاس واندازے سے درسِ تفسیر کا آغاز نہ ہونے دینے یا اس سلسلہ کو بند کر دینے سے متعلق جو بات لکھی ہے وہ بہر حال خیال وگمان پر مبنی ہے اس کا جواب دیا جانا مشکل ہے کیونکہ احقر کی نظر اس بات پر بھی ہے کہ "درسِ قرآن" اور "درس تفسیر" اور "دعوتِ قرآن" کے عنوانات سے یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ "درسِ قرآن" "تفہیم القرآن" کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جو بہر حال عام مسلمانوں کے لئے دینی مضرت کا باعث ہے تفہیم القرآن کے درس کے مقابلہ میں تو "تبلیغی نصاب" ہی غنیمت رہے گی۔ اور اگر "تفہیم القرآن" کے علاوہ کوئی مستند تفسیر مستند عالم کے ذریعہ پڑھی جائے تو تفسیری درس کو "تبلیغی نصاب" پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عبد القدوس رومی غفرلہ' مفتی شہر آگرہ

۸ رمضان المبارک' دوشنبہ ۱۴۱۹ھ

مسلمانو! مروجہ تبلیغی کام نہ تو فرض ہے نہ فرض کفایہ اور نہ واجب بلکہ بدعتِ حسنہ ہے عوامی دعوت وارشاد اور تبلیغ کا کام صرف اور صرف تجربہ کار علماء صلحاء اور اہلِ علم کا ہے' ساری امت کا یہ کام نہیں' اس کے لئے عالم کا ہونا لازم ہے۔ جب یہ کام غیر عالم' غیر صحبت یافتہ اور بقول حضرت مولانا عمر پالنپوری مدظلہ' غیر تربیت یافتہ اور بقول حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ' بابوؤں کے ہاتھوں میں آجائے تو یہ فتنۂ عظیم ہے' بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ اس راہ میں چل گئے تو صدیوں میں آنے والے فتنے مہینوں میں آجائیں گے' اس کو خوب سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اس کے برخلاف اہل اللہ کی صحبت فرضِ عین ہے اور صرف اسی میں ایمان کی سلامتی ہے' اہل اللہ کے دل روشن ہوتے ہیں ان کو محبت اور شفقت سے دیکھ لینا ہی کافی ہے ان کی ایک ساعت کی صحبت سو سال بلکہ ایک لاکھ سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ بڑے حضرت جی چاہتے تھے کہ عوام کو دین سکھانے کے لئے مقامی علماء و صلحاء سے جوڑا جائے اور فرمایا کہ جماعتوں کو خانقاہوں میں بھیج کر مشائخ سے تربیت کرائی جائے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ پاک نے (تجربہ کار) علماء و فقہاء کی مجالس سے بہتر کوئی مجلس پیدا ہی نہیں فرمائی ہے۔ مفتئ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تمام علماء و صلحاء محدثین و مجتہدین و فقہا کے نزدیک سب سے افضل دینی کام علمِ دین کی مشغولیت ہے۔ مفتئ اعظم ہند حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی مدظلہ' کا فتویٰ ہے کہ عام تبلیغی تقریریں تجربہ کار علماء ہی کریں دوسرے لوگ تقریر نہیں کریں۔

اسناد و حوالہ جات اور تفصیل کے لئے ہم سے رابطہ قائم کریں

ابراہیم یوسف باوا رنگونی

برطانیہ

سوال: دین سیکھنے کے قبل دوسرے کو سکھانے کی علمبرداری کیسی ہے۔

جواب: مغربی وفرنگی دجل کی راہ سے جو مفاسد ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اپنی اصلاح سے بے فکر رہ کر ساری قوم سارے ملک بلکہ ساری دنیا کی اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوجانا۔ اس مغربی وفرنگی طریق اصلاح کے برخلاف انبیائی طریق یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت وہدایت کا خود مکمل اسوہ ونمونہ ہوکر سامنے آتے رہے یہی اسوہ ونمونہ طبعاً وفطرتاً دوسروں کو حسب استعداد ان کے رنگ میں رنگتا رہا۔ اسوہ ونمونہ کے اثر واتباع کی فطری وطبعی راہ سے جو لوگ ان کے رنگ میں رنگتے جاتے تھے وہ از خود قدرتی وحقیقی جماعت کے شیرازہ میں پیوست ہوجاتے تھے۔ اصلاح وقیادت دراصل انبیائی منصب کی نیابت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مقتدیٰ بننے سے پہلے علم حاصل کرلو لیکن طلبِ جاہ علم حاصل کرنے کے قبل ہی مقتدیٰ بننے پر مجبور کردیتی ہے جس میں علمِ راسخ نہ ہو اس کو صرف اتنا کرنے کی اجازت ہے کہ کتاب پڑھ کر سنا سکتا ہے تقریر نہیں کرسکتا کیونکہ تقریر میں الفاظ اپنے ہوتے ہیں اور یہ اصلاح کرنے والے کا کام ہے۔ کم پڑھے یا بے پڑھے شخص کو اصلاح کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ حرف بحرف نقل کرسکتا ہے بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَة کا یہی مطلب ہے لیکن اگر اس کو اتنا بھی شعور نہیں کہ کیا سنا جائے تو یہ حق جو اس کو دیا گیا ہے یہ اس سے سلب کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی جاہل نے حدیثِ متعہ کا ترجمہ جو کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا پڑھ پڑھ کر سنانا شروع کردیا تو اس کو کتاب سنانے کے کام سے بھی روک دیا جائیگا کیونکہ قانون ہے کہ دفعِ مضرت بہتر ہے جلب منفعت سے۔ بلّغوا امر ہے اور اصولِ فقہ

کا قانون ہے کہ امر موجب تکرار نہیں ہوتا، مثلاً زید نے بکر سے کہا پانی پلا دو، بکر نے ایک مرتبہ پانی پلا دیا، حکم کی تعمیل ہوگئی کیونکہ امر موجب تکرار نہیں ہوتا۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اگر کسی علاقہ میں اسلام نہیں پہونچایا گیا ہے تو وہاں پہونچانا واجب ہے کیونکہ بلّغوا امر ہے اور تعمیلِ حکم واجب ہوتی ہے لیکن جس علاقہ میں ایک مرتبہ اسلام پہونچا دیا گیا، تعمیل حکم پائی گئی۔ امر موجبِ تکرار نہیں ہوتا اس لئے بار بار تعمیل حکم کرنا واجب نہیں، ایک مرتبہ تعمیلِ حکم کے بعد وجوب ساقط ہوگیا۔

مثلاً کسی مقام پر اسلام اب تک نہیں پہونچایا گیا وہاں ایک جاہل شخص نے جاکر کسی اچھے عالم کی کوئی تصنیف پڑھ کر سنانا شروع کر دی تو یہ جائز ہے اگر وہ جاہل اپنے الفاظ میں تقریر کرے گا تو وہ اصلاح کہلائے گی، دعوت و اصلاح کا جاہل کو حق نہیں، داعی و مصلح ہونے کے لئے چند قیود و ضوابط درج ذیل ہیں:۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اس آیت میں سبیلِ رب کی طرف بلانے کا حکم ہے۔ تین قیود لگا کر مطلق کو مقید کر دیا۔

۱۔ پہلی قید حکمت کا طریقہ حکمت سے اپنے دعوے کے علمی دلائل مراد ہیں۔

۲۔ دوسری قید موعظہ حسنہ کی۔ موعظہ حسنہ سے ایسی باتیں مراد ہیں جن سے مخاطب میں نرمی و قبول کا میلان پیدا ہو اس کا دل پگھل جائے۔

۳۔ تیسری قید مجادلہ کا طریقہ۔ مجادلہ سے مراد ہے دوسرے کا دعویٰ رد کرنا، تو اس میں ناگواری ہو سکتی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ایسے رد کیا جائے کہ ناگواری نہ ہو

سوال: آج کل جاہل جو دعوت دیتے پھرتے ہیں اس کے لئے یہ غلط بیانی کی جاتی ہے کہ یہ جاہل دعوت نہیں دیتے بات دوہراتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہی ہے کہ

دعوت دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جاہل دعوت دے تو یہ جائز نہیں۔ اس ناجائز کام کی بابت ایک مشہور ہستی کی تحریر دیکھ کر حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عمومی اور ضروری کام بعض وجہ سے مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے۔"

برائے مہربانی تحریر فرمائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔؟

جواب:۔ فرنگی سائنس و تہذیب و تمدن و سیاسیات کی راہ سے جن غیر اسلامی طرز افکار نے راہ پائی ہے اُن میں سے ایک چیز یہ ہے کہ بڑوں کی نظروں سے اتار دیا جائے تاکہ ہمارا وزن ہو۔ جدید تعلیم و تمدن کے اثر سے یہ زہر ہوا میں اس طرح اڑ رہا ہے کہ تمام فضا اس سے مسموم ہو گئی ہے۔

الیکشن میں لوگ تجربہ کار لیڈروں کو مختلف انداز سے برا کہتے ہیں تاکہ ان کی لیڈری جم جائے۔ آج کل مختلف جماعتیں مختلف عنوان سے اس کوشش میں لگی ہیں کہ اس تیرہ سو برس کے قیمتی دور کو کس طرح مجروح کیا جائے اور یہ تسلیم کیا جاتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ طریقہ جس کو علم و تصوف سے بالاتر قرار دینے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے چالیس سال کے اندر کی ایجاد ہے لہٰذا اُن کے خیال کے مطابق چالیس سال سے قبل کے تمام بزرگانِ دین اس افضل چیز سے محروم رہے اور یہ افضل طریقہ جو آج کل کے عوام برت رہے ہیں ان کے خیال کے مطابق یہ عوام اس تیرہ سو برس کے دور کے تمام برگزیدہ بزرگوں سے افضل ثابت ہو گئے حالانکہ اسلامی طرزِ فکر کے مطابق ہر صدی سے اُس سے پچھلی صدی قیمتی ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ صحابہؓ بھی جاہل تھے وہ دعوت دیتے تھے ہم بھی جاہل ہیں ہم بھی دعوت دیتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شاگردانِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے اور شاگردانِ رسولؐ سب کے سب بلاشبہ کامل و مکمّل تھے اور کامل و مکمل ہونے کے بعد انہوں نے دعوت دی، جو شخص شاگردانِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کامل و مکمل نہیں مانتا وہ تعلیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں نقص نکالتا ہے۔

صحابۂ کرام کو (نعوذباللہ) جاہل ثابت کرنے کی بہت کوشش کی جارہی ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں صحابی نے حضورؐ کو صرف ایک ہی مرتبہ دیکھا، بھلا ایک مرتبہ دیکھنے میں کیا سیکھ لیا، کامل و مکمّل کیسے ہوگئے۔

یہ لوگ جناب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طاقت کو اپنی طاقت پر قیاس کرتے ہیں، کوئی شخص اسلام لایا اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نظر ڈال دی یا ادھر توجہ فرمائی وہ کامل و مکمّل ہوگئے

حالِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر